اردو ترجمہ فارسی مکاتیبِ شبلی (قسط اوّل)

خالد ندیم☆/ نوید احمد گل☆☆

شبلی نعمانی کے خطوط اوّل اوّل ان کے شاگردِ رشید سید سلیمان ندوی نے مکاتیبِ شبلی کے نام سے دو جلدوں (۱۹۱۶ء-۱۹۱۷ء) میں مرتب کیے۔ ان کے بعد مولوی محمد امین زبیری نے خطوطِ شبلی (اوّل س ن، دوم ۱۹۳۰ء) کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا۔ حال ہی میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے مکتوباتِ شبلی (۲۰۱۲ء) کے نام سے ایک مجموعہ پیش کیا، نیز بعد میں دستیاب ہونے والے شبلی کے بعض خطوط انھوں نے شبلی کے نام اہلِ علم کے خطوط (۲۰۱۳ء) میں شامل کر دیے ہیں اور آج کل ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر شمس بدایونی کلیاتِ مکاتیبِ شبلی کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ تقریباً ایک صدی کے اس سفر میں مکاتیبِ شبلی جلد دوم (۱۹۱۷ء) میں شبلی کے تینتیس فارسی مکاتیب اردو ترجمے سے محروم رہے۔ حیرت کی بات ہے کہ غالب و اقبال کے تمام غیر اردو خطوط کا ترجمہ ہو چکا ہے، لیکن شبلی کی طرف کسی کی توجہ نہ ہو سکی۔ حیاتِ شبلی میں سید سلیمان ندوی نے ان فارسی خطوں سے جابجا استفادہ کیا، لیکن فارسی اندراجات کے ترجمے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عہد حاضر میں برصغیر میں فارسی زبان و ادب کی کمزور ہوتی ہوئی روایت کے پیشِ نظر ان خطوں کے اردو ترجمے کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، چنانچہ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے علامہ شبلی کے جملہ فارسی خطوط اردو میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

مَیں پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی (اعظم گڑھ)، ڈاکٹر علی بیات (تہران) اور ڈاکٹر طاہر حمید تنولی (لاہور) کا بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے کمال مہربانی سے ترجمے پر نظرثانی کی اور نہایت مفید مشورے دیے۔ اس امر کا اعتراف کیا جانا ضروری ہے کہ ان تجاویز کی روشنی میں یہ ترجمہ بہت بہتر ہو گیا ہے۔

ترجمے کو حتمی شکل دیتے وقت یہ امر پیشِ نظر رہا کہ شبلی یہ خطوط اگر اردو میں لکھتے تو ان کا اسلوبِ نگارش کیا ہوتا۔

☆ ڈاکٹر خالد ندیم، صدرِ شعبہ اردو، سرگودھا یونی ورسٹی، سب کیمپس بھکر۔

☆☆ ندیم احمد گل، استاد شعبہ فارسی، گورنمنٹ وارث شاہ کالج، جنڈیالہ شیر خاں، شیخوپورہ۔

اگر چہ فارسی مکاتیب سے شبلی کے کسی منفرد اسلوب کی واضح نشان دہی نہیں ہوتی، لیکن ان کے ہاں بالعموم عبارت آرائی سے احتراز برتا جاتا ہے، چنانچہ ان تراجم میں شبلی کے اس اختصار اور جامعیت کو پیش نظر رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ بعض خطوں میں انھوں نے اپنے جذبات و احساسات کے اظہار میں زبان و بیان کی بعض خصوصیات کو بھی جگہ دی ہے۔ ایسے مقامات پر ان کے رنگِ اسلوب سے صرفِ نظر نہیں کیا گیا۔

یہ خطوط چند ایک کے علاوہ بالعموم مختصر ہیں۔ ان خطوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی اوائل عمری میں فارسی میں مکتوب نگاری کرتے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی توجہ اردو کی طرف ہوگئی اور پھر زندگی بھر تمام خط کتابت اردو ہی میں کی۔ یوں تو کم و بیش ایک ہزار خطوں میں تینتیس مراسلات کوئی نسبت نہیں رکھتے، لیکن اپنے بعض مندرجات کے باعث شبلی شناسی میں ان مکتوبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ان مکاتیب کا تعلق شبلی کے آخری تعلیمی زمانے، روزگار کے لیے تگ و دَو، عارضی اسامی پر قرق امینی، والد کی طرف سے نیل کے کارخانے میں تعیناتی، وکالت کے امتحان اور علی گڑھ مسلم کالج کی ملازمت کے ابتدائی دَور سے ہے۔ یہ وہ دَور تھا، جب شبلی شدید مالی، ذہنی اور روحانی مشکلات کا شکار تھے۔ ایک طرف تو انھیں انگریزی زبان کی عدم تحصیل کی بنا پر کم تر خیال کیا جاتا تھا اور دوسری جانب خاندان اور دوستوں سے جدائی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ وہ بستی گئے یا علی گڑھ، انھیں اپنے احباب کی زور فراموشی کا گلہ رہا۔ شیخ عجیب اللہ، مہدی حسن، مولوی حمید الدین، مولوی محمد عمر اور مولوی محمد سمیع کے نام ان کے اکثر خطوں سے ایسی ہی صورتِ حال کا علم ہوتا ہے۔ ان خطوں سے ان کی ابتدائی زندگی کی مشکلات کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ اس قسط میں پہلے انیس خطوط کا ترجمہ دیا جا رہا ہے، دوسری قسط میں بقیہ چودہ مراسلات کا ترجمہ پیش کیا جائے گا۔

ترجمہ مکاتیب

بنام شیخ حبیب اللہ[۱]

(۱)

مکری خدمت جناب والد ماجد

آج مجھے گھر چھوڑے اور اجنبیوں کے ساتھ رہتے دو مہینے ہو رہے ہیں۔ مجھے [آپ کی طرف سے] پچیس روپے عنایت ہوئے تھے؛ جن میں سے تین روپے اعظم گڑھ سے جونپور تک تانگے کے کرایے پر اُٹھ گئے، سات روپے سہارنپور جانے کے لیے ریل کے ٹکٹ پر صرف ہوئے اور پانچ روپے وہاں سے لاہور آنے پر[۲]؛ یوں دس روپے باقی بچے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک دو روپے حوائج ضروریہ پر خرچ ہو گئے۔ چونکہ یہاں رہائش کا کوئی انتظام نہ تھا، مکان ایک روپیہ کرایے پر لیا اور یوں دو ماہ میں

دو روپے کرایے پر اُٹھ گئے؛ جو باقی بچ رہے، وہ خوراک پر خرچ ہو گئے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مَیں نے جس قدر کفایت سے کام لیا کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ مزاج گرامی کسی قدر برہم تھا،[۳] اس لیے خرچ بھیجنے کی زحمت دینے سے باز رہا۔ [لیکن] اَب مشکل میں ہوں؛ اَور کیا کہوں، تاخیر ہوئی تو مصائب مزید بڑھ جائیں گے۔

حدِ ادب شبلی نعمانی

۱۲۸۹ھ[۴]

۱ مولانا کا سب سے پرانا خط، جو مجھ کو مل سکا ہے، یہی ہے۔ یہ طالب علمی کا خط ہے، جب وہ ادب پڑھنے کو مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری، عربی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کے پاس گئے ہیں۔ اُس وقت تک اعظم گڑھ سے جونپور تک ریل بھی نہ تھی۔ (سید سلیمان ندوی)

شیخ حبیب اللہ (م: ۱۲ر نومبر ۱۹۰۰ء) اعظم گڑھ کے معروف وکیل تھے۔ نیل اور شکر کے کارخانے لگائے اور ان کی آمدنی سے دیوارا کا پورا علامہ خرید کر زمینداری کو مستحکم کیا۔ اعظم گڑھ میں عربی مدرسہ قائم کیا۔ سرسید سے متاثر تھے، چنانچہ انھوں نے کالج کی تعمیرات کے لیے ۱۲۵ر روپے دیے اور شبلی کے بعد اپنے تینوں بچوں کو علی گڑھ سے تعلیم دلوائی۔

۲ اعظم گڑھ سے جونپور تک فاصلہ ۶۴ر کلومیٹر ہے، جونپور سے سہارنپور تک ۸۴۸ر کلومیٹر اور سہارنپور سے لاہور تک ۴۱۴ر کلومیٹر ہے، گویا اعظم گڑھ سے لاہور تک کا کُل فاصلہ تقریباً ۱۳۲۶ر کلومیٹر بنتا ہے۔

۳ مولانا کے والد حصولِ علم اور اس کے لیے اس سفر کو غیر ضروری سمجھتے تھے، مزید برآں اپنے فرزند اکبر کو آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے وہ اس فیصلے کے باعث شبلی سے کسی قدر ناراض تھے۔

۴ ۱۲۸۹ھ کا دَورانیہ ۱۱ر مارچ ۱۸۷۲ء سے ۲۹ر فروری ۱۸۷۳ء کو محیط ہے۔ مکاتیبِ شبلی جلد دوم کی اشاعتوں ۱۹۱۷ء اور ۱۹۷۱ء میں یہی ہجری سال (۱۲۸۹ھ) درج ہے، البتہ سید سلیمان ندوی نے حیاتِ شبلی میں رامپور اور لاہور کے تعلیمی سفر کا دَورانیہ ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۲ھ تحریر کیا ہے۔

﴿۲﴾

اعلیٰ حضرت!

آداب۔ مَیں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کا طالب ہوں۔ والا نامہ ملا، جان و دل کو قرار آ گیا۔ کچھ دن پہلے عریضہ مع گلستان مطبوعہ لندن آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، اگر نہیں ملا تو میرے بخت کی نارسائی، اس میں میری کوئی خطا نہیں۔

چند روز بعد یہاں مدرسے[۱] میں تعطیلات ہونے والی ہیں، جو دو ماہ تک چلیں گی۔ استادِ محترم[۲] اپنے وطن، یعنی سہارنپور تشریف لے جائیں گے۔ مَیں اتنے دِنوں ناغہ نہیں کرسکتا، اس لیے مَیں نے بھی سہارنپور کا عزم کرلیا ہے؛ باقی جو اللہ کی مرضی۔

طرفہ تماشا، عزیزی مہدی کا کہنا ہے کہ 'جناب مولانا محمد فاروق صاحب میری تعلیم میں تساہل سے کام لیتے ہیں'، جب کہ جنابِ ممدوح لکھتے ہیں کہ 'عزیزِ مذکور کا تعلیم کی طرف التفات نہیں'۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ان میں حق بجانب کون ہے؟

والدہ محترمہ کی خدمت میں آداب، بھائی صاحب اور حضرت منشی صاحب کی خدمت میں تسلیم اور عزیزی محمد اسحاق کے لیے سلام و دعا۔

محمد شبلی عفی عنہ

(لاہور)[۳]

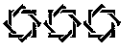

۱ اورینٹل کالج لاہور۔ (سید سلیمان ندوی)

۲ مولانا فیض الحسن سہارنپوری۔ (سید سلیمان ندوی)

۳ یہ خط بھی لاہور ہی سے لکھا گیا اور چونکہ حیاتِ شبلی میں سید سلیمان ندوی کے اس جملے .....'مولانا فیض الحسن صاحب کے قلیل المدت درس کا نقش علامہ مرحوم پر کس قدر گہرا پڑا تھا.....' سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدت چند مہینوں پر محیط ہے، چنانچہ اگر اس درس کو ۱۲۸۹ھ کے اواخر (جنوری فروری ۱۸۷۳ء) سے بھی شروع کیا جائے تو 'قلیل المدت درس' کا اختتام مارچ اپریل یا زیادہ سے زیادہ مئی جون ۱۸۷۴ء میں ہوگیا ہوگا، لہٰذا اس خط کی تحریر کا یہی زمانہ ہوسکتا ہے۔

بنام شیخ عجیب اللہ

﴿۳﴾

محترم و مکرم چچا جان! تسلیم و نیاز

مَیں بروز دوشنبہ ۱۴ر جنوری کو علی گڑھ پہنچ گیا، لیکن سفر کی تھکان کے باعث آرام کرتا رہا۔ اس مرتبہ عزیزوں میں سے کوئی ساتھ نہ تھا، لہٰذا بات کس سے کرتا، دل کی بھڑاس کیسے نکالتا؟ ایک عجیب بے کلی سی طاری رہی اور دِل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے رہے۔ وہ تمام باتیں، جو اعزہ وطن میں کہتے تھے، یاد آتی اور خون رُلاتی رہیں۔ آنکھوں میں وہ منظر گھومتا رہا کہ دوستوں کی محفل جمی ہوئی ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی سنا رہا ہے کہ اچانک کوئی پوچھتا ہے کہ جو کچھ تمھیں علی گڑھ میں حاصل ہے، کیا اس پر خوش ہو؟ کہیں اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول تو نہیں کرلیا اور حاسدوں کے خوف سے راضی برضا تو نہیں ہوگیا۔ مَیں کبھی

تو خاموش رہتا ہوں اور کبھی ان الزامات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ یارو! انصاف اطاعت سے بالاتر ہے؛ میرے اختیار میں کچھ نہیں، میری غلطیوں پر گرفت نہ کرو۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ کم مایہ خدمت میرے لائق نہیں اور اگر اپنے موجودہ منصب کے حوالے سے کچھ کہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس سے بہتر چاہیے؛ مگر کیا کیا جائے کہ والد صاحب قبلہ وکالت کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں اور اگر مجھ آزادہ رَو کو وکالت پسند نہیں تو انصاف کرو، اس میں کون سا گناہ ہے؟ مَیں جب تک والد صاحب قبلہ کے زیرِ سایہ رہوں گا، اسی وضع پر رہوں گا۔ افسوس اُس وقت پر، جب تقدیر بگڑ جائے اور اختیار چھن جائے۔ اِس دَورِ آشوب میں دِل کو [کسی پل] قرار نہیں۔ اگر مَیں خواہی نخواہی وکالت اپنا بھی لوں اور اپنا کچھ خیال نہ کروں[۲] اور اس ذلت و پریشانی سے جسم و شکم کی پرورش کروں۔ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ میاں ابراہیم اندر آئے، یوں بے کلی کسی قدر کم ہوئی اور کشاکشِ غم سے کچھ نجات ملی۔ وہ مجھے عزیزوں کے حالات اور بندول و اعظم گڑھ کے مدرسوں کی کیفیت سے بالتفصیل مطلع کریں گے۔

یہ عریضہ عزیزی محمد سمیع یا عبدالحمید کے سپرد کر دیجیے اور اسے ضائع نہ کیجیے۔[۳]

شبلی نعمانی

۱۶ر جنوری ۱۸۸۴ء

۱ علامہ شبلی کے دادا منشی حسن علی کے چار بیٹے تھے، یعنی شیخ حبیب اللہ، شیخ مجیب اللہ، شیخ عجیب اللہ اور شیخ نجیب اللہ۔ سید سلیمان ندوی کے خیال میں، یہ خط غالباً شیخ عجیب اللہ کے نام ہے۔ (حیاتِ شبلی، ص ۸۳)

۲ اللہ رے انقلاباتِ حالات! (سید سلیمان)

۳ مولانا کو اپنے فارسی خطوط کے محفوظ رکھنے کا شوق تھا۔ (سید سلیمان)

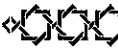

بنام مہدی حسن[۱]

﴿۴﴾

باز گلبانگ پریشان می زنم — آتشے در عندلیباں می زنم
حجلۂ گل بہر من کروند و من — سر بدیوارِ گلستاں می زنم

المہدی باللہ

حیاک اللہ۔ کل کالون صاحب[۲] سے اچانک ملاقات ہوگئی، وہ میرے اور میرے خاندان سے متعلق پوچھتے رہے اور مَیں ایک ایک کر کے بتاتا رہا۔ وہ بڑی تعظیم سے پیش آئے، البتہ معذرت کی کہ اس سال تو مَیں اردو کے پرچے نہیں دیکھ رہا، غم

زدہ واپس آیا اور دیوانِ غیب[۳] سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

آنچہ سعی ست من اندر طلبت بنمودم
این قدر ہست کہ تغییر قضا نتوان کرد

ناامیدی کا خیر مقدم کیا اور گھٹنوں پر سر رکھ کے بیٹھ گیا۔ دل میں سوچا کہ اتنی آزادی کے باوجود ایک شعر سے اثر قبول کرنا اور آرزو کا کاسہ مایوسی کے سر پر دے مارنا کیسا؟ لیکن جب سر پر پتھر آن ہی پڑے اور دل مایوسیوں سے بھر جائے تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ دو تین سال سے مَیں نے دوسروں سے توقع رکھنا ہی چھوڑ دی ہے اور کسی سے کچھ ملا بھی نہیں۔

میرے اعزہ کہتے ہیں کہ انگریزی تعلیم کے بغیر گزارا نہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے! کتنے ہی لوگ ہیں، جو انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتے، لیکن بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں، آخر تحصیل داری وغیرہ کے لیے بھی تو انگریزی کی شرط نہیں[۴]۔ فی الجملہ گردشِ فلک اور نارسائیِ بخت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ عمر کا کچھ حصہ بادیہ پیمائی اور ہرزہ درائی میں گزاروں۔ اب عزمِ سفر ہے، دیکھنا یہ ہے کہ پردۂ چرخ میں کون کون سی بجلیاں پوشیدہ ہیں۔ والسلام

ش نعمانی[۵]

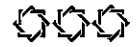

۱ مہدی حسن، شبلی کے منجھلے بھائی تھے۔ عربی و فارسی کی تعلیم کے بعد قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اسکول کی تعلیم کے بعد ۱۹۷۹ء میں شبلی کے ساتھ وکالت کا امتحان دیا، جس میں مہدی حسن کامیاب ہو گئے، جب کہ انھیں پڑھانے والے شبلی ناکام۔ اس کے بعد مہدی علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے، جہاں سے انھوں نے انٹرنس، ایف اے کیا۔ مزید تعلیم کے لیے ۱۸۸۵ء میں وہ لندن چلے گئے، جہاں سے انھوں نے بیرسٹری اور بی اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ لندن میں ان کی صحت خراب ہوئی، جو بعد ازاں کسی طور بحال نہ ہو سکی۔ ۱۸۹۲ء میں وہ الٰہ ہائی کورٹ میں منصف مقرر ہوئے، اسی دوران میں آبائی گاؤں ہی کی عالیہ سے ان کی شادی ہو گئی، لیکن خراب صحت بگڑتی ہی چلی گئی اور بالآخر ۲۹ر جون ۱۸۹۷ء کو اعظم گڑھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مہدی کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف ایک بیٹی شافیہ (متوفی ۱۹۲۷ء) تھیں۔

۲ شبلی کو غالباً اپنے جوابی پرچوں کی کمزوری کا احساس تھا، اس لیے وہ اپنے والد کے دوست، قانون کے ممتحن مسٹر کالون سے ملے۔

۳ دیوانِ لسان الغیب، یعنی دیوانِ حافظ شیرازی

۴ شبلی کے علاوہ شیخ حبیب اللہ کے تمام بیٹوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

۵ شبلی نے وکالت کا امتحان پہلی مرتبہ ۱۸۷۹ء میں دیا تھا، اس لیے یہ خط اسی سال کا تحریر کردہ ہو سکتا ہے۔

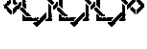

عزیزِمن مسٹر مہدی حسن، ابنتک اللّٰہ بناتا حسناً

اب تک تو مَیں ڈپٹی محمد کریم کے دولت کدہ پر اقامت پذیر رہا، [البتہ] کل ہی ایک مکان کرایے پر لیا ہے[۱]، مگر چونکہ دل خواہ نہیں ہے، اس لیے فکر سے آزاد نہیں ہوا اور مزید تلاش جاری ہے۔

یکم فروری[۲] سے کالج جا رہا ہوں۔ ایف اے و بی اے کو فارسی اور انٹرس وسیکنڈ [کے طلبہ] کو عربی پڑھاؤں گا۔ سید صاحب ہر چند کلکتہ سے یہاں پہنچ گئے ہیں، لیکن چونکہ سفر کی تھکن کے باعث ان کی طبیعت ناساز ہے، اس لیے ابھی تک ان کے نیاز حاصل نہیں ہوئے۔ [وہ] عزیزی محمد اسحاق کو پہلی صف میں جگہ دیتے ہیں۔ محیط الدائرہ[۳] بھیج دوں گا۔ والسلام

شبلی نعمانی علی گڑھ

۲رفروری ۱۸۸۲ء[۴]

۱۔ علی گڑھ کالج کے تعلق کے بعد سب سے پہلا سامانِ قیام۔ (سید سلیمان ندوی)

۲۔ کالج کے درس کا پہلا دِن۔ (سید سلیمان ندوی)

۳۔ کرنیلیوس فان دیک الامیری کانی کی تالیف محیط الدائرہ کا تعلق علمِ عروض سے ہے۔

۴۔ مکاتیبِ شبلی جلد دوم کے دونوں اشاعتوں (۱۹۱۷ء اور ۱۹۷۱ء) میں یہی تاریخ تحریر درج ہے، لیکن چونکہ علی گڑھ کالج میں شبلی کی تقرری یکم فروری ۱۹۸۳ء کو عمل میں آئی تھی، اس لیے ۱۸۸۲ء کو کتابت کی غلطی قرار دیا جا سکتا ہے۔ درست تاریخِ تحریر ۲رفروری ۱۸۸۳ء ہے۔

﴿۶﴾

عزیزی مہدی، السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

میری طرف سے ہزار بار قدم بوسی کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں آداب کہنا اور عرض کرنا کہ شبلی بالکل خیریت سے ہے[۱]؛ سوائے آپ سے دُوری کے، اسے کوئی غم نہیں۔ وہ خاطر جمع رکھیں، یہ دُوری ناگزیر تھی۔ ہمشیرہ معظّمہ، چچی جان، دادی جان اور دیگر بزرگوں کو آداب وتسلیم۔

اب توجہ سے سنو!

میرے استفسارات کا تفصیل کے ساتھ جواب لکھو اور اگر کوئی جونپور جانے والا ہو تو تانبے کا وہ برتن، جو دَورانِ حج میرے استعمال میں رہا اور غالباً اب بھی وہ گھر میں کہیں پڑا ہوگا، مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب کے مدرسے کے طالب علم حافظ

تجمل حسین صاحب کو دے دینا اور بتا دینا کہ یہ برتن شبلی نے مولوی بشارت کریم سے مستعار لیا تھا اور اَب آپ کے سپرد ہے کہ مولوی بشارت صاحب تک پہنچا دیں۔ یہ ساری تفصیل تحریر کر کے ساتھ کر دینا اور بذریعہ خط مجھے بھی آگاہ کر دینا اور عزیزی اسحاق کے بارے میں مطلع کرنا۔ والسلام

شبلی[۲]

۱ شبلی کی والدہ قائمہ بی بی نہایت نیک اور تہجد گزار تھیں۔ جب شیخ حبیب اللہ نے دوسری شادی کر لی تو وہ بہت دل گیر ہوئیں اور اسی غم میں گھلتے گھلتے جنوری ۱۸۸۶ء میں انتقال کر گئیں۔

۲ علامہ شبلی نے ۱۸۷۶ء میں حج بیت اللہ کے لیے سفر کیا۔ اس برس ۱۸ر نومبر کو ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کی پہلی تاریخ تھی۔ خیال ہے کہ یہ قافلہ ۱۸۷۷ء کے ابتدائی مہینوں میں وطن واپس آیا ہوگا۔ ۱۷ر مارچ ۱۸۸۱ء کو مولوی محمد سمیع کے نام لکھے گئے فارسی خط (شمار ۱۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دِنوں علامہ بستی میں وکالت کر رہے تھے، یہ خط غالباً اسی دَور میں لکھا گیا۔

بنام مولوی حکیم محمد عمر[۱]

﴿۷﴾

یارِ گرامی مدظلہ السامی

تسلیم۔ آپ کا خط ملا، دِلِ آنکھوں کا رہینِ منت ہوا۔ اس وقت جو فرصت میسر ہے، اس میں خود ادب کا مطالعہ کرتا ہوں اور کسی [؟] کو دیوانِ حماسہ[۲] پڑھاتا ہوں۔

پچھلے خط میں مَیں نے عزمِ سفر ظاہر کیا تھا، البتہ منزل کا تعین ابھی تک نہیں کر سکا۔ لکھنؤ جانے کی رائے صائب ہے۔ جب تک چلا نہ جاؤں، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

اس شہر [اعظم گڑھ] میں چندہ دو ہزار چھ سو روپے جمع ہو گئے ہیں، قوی امید ہے کہ یہ تین ہزار سے تجاوز کر جائیں گے۔[۳]

نجانے مولوی فقیر اللہ کی ناراضی کی وجہ کیا ہے؟ انھوں نے دو ماہ سے مجھے خط تک نہیں لکھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ نامراد روسی فوجیں، جو عثمان پاشا کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں، ان میں سے آٹھ ہزار روسی واصلِ جہنم ہوئے اور چوبیس ہزار شدید مجروح۔ فتح و ظفر کی ہواؤں سے سلطانی پرچم جھوم رہا ہے اور شاہِ روس کا بھائی گرینڈ ڈیوک نکلسن ترک جانبازوں کے حملے کے ڈر سے میدان چھوڑ بھاگا۔

مولوی محمد سلیم سمروی ہنی مون منا رہے ہوں گے، جب کہ مولوی منیر مقدمات کی اوھیڑ بُن میں گھلے جا رہے ہوں

گے۔ مولوی نور محمد کو میرا اسلامِ شوق پہنچا دینا۔

چند روز ہوئے، یہاں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا، مَیں نے بھی ایک غزل پڑھی تھی:

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اُٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

درد و فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں بھی ترے دُشوار ہے آنا ہم کو

جوشِ وحشت میں ہو کیا ہم کو بھلا فکرِ لباس
بس کفایت ہے جنون دامنِ صحرا ہم کو

رہبری کی دہنِ یار کے جانب خط نے
خضر نے چشمہ حیوان یہ دِکھایا ہم کو

دل گرا اُس کی زنخدان میں فریبِ خط سے
چاہ خس پوش تھا اے وائے نہ سوجھا ہم کو

واہ کاہیدگیِ جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں تھے پہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہم کو

قالبِ جسم میں جان آ گئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دِکھایا ہم کو

ایک اَور غزل بھی ہوئی ہے، مگر اس مختصر خط میں اتنی گنجائش نہیں۔ اس غزل کا صرف ایک شعر پیش کرتا ہوں:

یوں چشم تر میں قامتِ جاناں ہے جلوہ گر
جس طرح سے کہ سرو لبِ آب جو رہے

شبلی[۴]

۱ مولوی حکیم محمد عمر دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے، مولانا شبلی کے ہم تعلیم و ہم صحبت اور عہد شباب کے دوست۔ بعد ازاں اعظم گڑھ میں محافظ دفتر ہوئے اور مطب کھولا۔

۲ دیوانِ حماسہ: شعرائے جاہلیت کے کلام۔

۳ جنگ روم و روس میں چندہ، مولانا کا پہلا قومی کام۔ (سید سلیمان ندوی)

۴ یہ خط ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا۔ اسی سال روس اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑی۔ ہندوستان بھر میں ترکوں کی فتح و نصرت

کے لیے دعائیں کی جانے لگیں اور ترک فوجوں کی مدد کے لیے چندہ جمع کیا جانے لگا۔

﴿۸﴾

رفیقِ من!

تسلیم۔ کیا آپ نے مجھے محرومِ التفات کر دیا کہ خط کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا۔ بخدا، مَیں نے کئی خط بھیجے؛ اگر وہ نہیں پہنچے تو اس میں میری خطا نہیں۔

میری بدنصیبی کہ مجھے قانون پڑھنا پڑ رہا ہے، سلیم سمروی بھی میرے ساتھ ہیں۔

یہاں ایک طالب علم جمیل سے ملاقات ہوئی، جو مولوی ہدایت اللہ کی تعریف کر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ یہ دوست کسی بہتر جگہ سے کسب فن کر رہا ہے۔

مَیں اِن بھولے بادشاہوں کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا، کیونکہ انھیں کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ تو لکھنؤ آنا چاہتے تھے؛ نجانے، باز کیوں رہے؟ ہاں، البتہ مولوی عبدالحی کو دلِ دانا اور چشمِ بینا ارزانی ہوئے ہیں۔ مولوی فقیراللہ صاحب بھی مجھ سے رنجیدہ ہیں۔ یاالٰہی! دوستوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھیں سب خستہ حالوں سے ہمدردی ہے، مگر شبلی کتنا بدنصیب ہے کہ مولوی محمد عمر صاحب جیسا دوست بھی اس سے بیزار ہے؛ تاہم میری زبان پر یہی دعا ہے کہ آپ کا شبلی رہے نہ رہے، آپ سب عافیت سے رہیں۔

گستاخی معاف! مجھ جیسے دوست صدیوں میں میسر نہیں آتے، چنانچہ مجھ سے ترکِ تعلق کہاں کی دانائی ہے!

دیگر دوستوں کو بھی سلام کہہ دیجیے گا کہ ان کے ساتھ بھی اچھے دِن گزر رہے ہیں۔

محمد شبلی بندولی[۱]

[۱] بندول، نامِ وطن۔ (سید سلیمان ندوی) خط کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قانون کے امتحان کی تیاری کے دِنوں (یعنی ۱۸۷۹ء) میں لکھا گیا۔

﴿۹﴾

برادرِ اعظم صاحب، السلام علیکم

نیاز نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، مگر اس کا جواب ابھی تک جواب نہیں موصول ہوا۔ مضطرب ہوں کہ رسید

ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ امید ہے، خط ملتے ہی جواب ضرور دیں گے، تا کہ دلِ ستم زدہ کو تسکین ہو اور آئینۂ دل سے بے کلی کا غبار چھٹ جائے۔ زیادہ نیاز

شبلی

۷/ اکتوبر ۱۸۸۲ء

بنام مولوی حمید الدین [۱]

﴿۱۰﴾

در دستِ دیگرے است سپید و سیاہِ ماہ
با روز و شب بہ عربدہ بودن چہ احتیاج

مایۂ نازِ ما

تمھارا خط پہنچا، بے قراری کو قرار آ گیا۔ اور ہاں، تمھارے سوا کون ہے، جس سے مَیں غم خواری کی توقع کروں۔ خدا تمھیں حیاتِ جاوِداں عطا کرے کہ تم نے ایک غم زدہ کا حال پوچھا۔

جانِ من! جس دِل کو کبھی راحت نصیب نہ ہوئی ہو اور جس نے کبھی خوش بختی کا منہ نہ دیکھا ہو؛ خود انصاف کرو، بے مہریِ دنیا کی تاب لائے تو کیسے اور اس بے کسی میں گزران ہو تو کیسے؟ اس پر عزیزوں ...... کی باتیں کہ جگر خون ہوتا ہے۔ اگر چہ مَیں کبھی ایسی باتوں کو دِل پر نہیں لیتا، مگر اتنا جانتا ہوں کہ ...... وہ نہ تو لکھنے کی ہیں اور نہ سننے کی۔ جب بات ہی بے موقع ہو تو اس پر کان دھرنے کا فائدہ؟ مگر یہ ہیں نکمی باتیں:

عیسیٰ این را متحمل شد و مریم برداشت

البتہ اس برائی میں سب کو شریک سمجھنا غلط ہے۔

...... جہاں تک مَیں جانتا ہوں، گناہ نہیں۔ مَیں ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہیں۔ اگر چہ مجھے ان سے کوئی نیاز مندی بھی نہیں ہے، لیکن مَیں اتنا جانتا ہوں کہ ...... وہ مجھ سے ز‌‌‌س لیے سرگراں ہیں کہ مجھے ان کی اطاعت قبول نہیں اور نہ ہی مجھ سے کبھی ایسا ہوگا۔

مجھے حیرت ہے کہ اس دَوران میں کوئی تعطیل بھی نہیں، پھر تم مجھے کیسے ملو گے؟ ابھی ابھی طویل بحر میں کچھ شعر موزوں ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ لکھتا ہوں [۲]۔ والسلام

شبلی نعمانی علی گڑھ

۱۷رجنوری ۱۸۸۴ء

۱؎ عربی زبان وادب کے معروف ادیب اور مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء-۱۹۳۰ء) علامہ شبلی کے ماموں زاد بھائی اور ان کے لائق شاگرد تھے۔ مدرستہ الاسلام کراچی، علی گڑھ کالج اور میور کالج الٰہ آباد میں پروفیسر عربی رہنے کے بعد دارالعلوم حیدرآباد میں پرنسپل کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ متعدد تصانیف کے علاوہ تفسیر نظام القرآن ان سے یادگار ہے۔

۲؎ خط میں شعر درج نہیں۔

﴿۱۱﴾

عزیزی، سلامِ شوق

اس خرابے میں آئے ہوئے مجھے دو تین روز ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیسے گزر رہی ہے اور شب و روز کیسے کٹتے ہیں تو میں حیرت سے اس کا منہ تکتا ہوں اور خون کے آنسو روتا ہوں۔

زیادہ کیا کہوں، اسحاق نہیں کہ جو اس وحشت میں مجھے بہلائے رکھتا تھا، تم بھی نہیں کہ تمھاری دل پذیر باتوں سے مردہ جسم میں جان پڑ جاتی تھی۔ اگر میاں محمد ابراہیم بھی میری مدد کو نہ پہنچتے تو میں بے ساز و برگ موت کی راہ دیکھ رہا ہوتا۔

عزیزِ من! کوشش کروں کہ جلد اتنی انگریزی زبان سیکھ لو کہ بے تکلف اس میں بات چیت کر سکو، تاکہ تمھیں اپنے ہم مرتبہ لوگوں پر برتری حاصل ہو اور تمھارے دم سے مدرسے کی شان ہو، جیسا کہ مدرسے کے کارپردازوں کا فیصلہ ہے۔

عزیزی محمد عثمان کو سفرنامۂ ناصر خسرو۱؎ پڑھ لینا چاہیے۔ تم اس سے ملو اور اس سفرنامے کی قیمت، جو کم و بیش ایک روپیہ ہے، وصول کر کے مجھے بھیج دو، تاکہ میں یہ کتاب اسے بھیج سکوں۔

میں نے جو خط مہدی حسن کو بھیجا تھا اور جس کا ذکر میاں عبدالحمید کے خط میں آ گیا تھا؛ وہ یہی ہے، جس کی دوسری جانب میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ہرچند میں جانتا ہوں کہ رذیل لوگ...... اس کو اپنے اوپر محمول کریں گے اور اپنی محفلوں میں حاشیہ آرائی کریں گے، تاہم میں کہتا ہوں کہ یہ سب ان کی ہرزہ سرائیاں اور افترا پردازیاں ہیں، مگر افسوس! والسلام

شبلی۲؎

۱؎ فارسی کے شاعر، فلسفی، اسماعیلی دانشور اور سیاح ناصر خسرو قبادیانی (۱۰۰۴ء-۱۰۸۸ء) نے ۶رمارچ ۱۰۴۶ء سے

۲۳/اکتوبر۱۹۵۲ء تک انھوں نے ممالک اسلامیہ کی سیاحت کی۔ انیس ہزار کلومیٹر طویل سفر میں انھوں نے چار مرتبہ حجِ بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ سفرنامہ ان کی اسی سیاحت کی رُوداد ہے۔

۲۔ اپریل ۱۸۸۵ء میں شبلی کے بھائی مہدی حسن اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے اور اکتوبر ۱۸۸۸ء میں وطن واپس آ گئے۔ اس دَوران میں وہ اپنے والد کے نام خطوں میں اپنی خیریت کے ساتھ ساتھ وہاں کی معاشرتی زندگی اور عورتوں کی آزادی کا ذکر نہایت بے باکی سے کرتے رہے۔ شیخ حبیب اللہ بیٹے کی خیریت سے متعلق اپنے احباب کو بتاتے تو دوسری باتیں بھی درمیان میں آ جاتی ہوں گی۔ انھی باتوں کو یار لوگ لے اُڑتے اور ان پر حاشیہ آرائی کرتے۔ مولوی محمد سمیع کو ۱۴/فروری ۱۸۸۶ء کے خط میں شبلی نے اسی ضمن میں لکھا کہ 'مہدی کے جب ایسے خط آیا کریں تو اس سے مجھ کو مشرف نہ کیا کرو، صرف تعلیم و خیریت کے حال سے مطلع کرنا کافی ہے'۔ انھی کے نام ۶/مارچ ۱۸۸۶ء (مکاتیبِ شبلی اوّل میں اسے ۱۸۹۶ء لکھا گیا ہے، جو نادرست ہے) کے خط میں لکھا کہ 'مولوی عبدالغفور نے مجھ سے کہا، سنا ہے کہ مہدی نہایت آزادانہ بے تمیزی کے خطوط اپنے والد قبلہ کو لکھتے ہیں اور اس خط کا حوالہ دیا، جس میں انھوں نے لیڈیوں کے ناچ کا ذکر کیا تھا، مجھ کو یہ تعجب ہوا کہ یہ خبریں ان لوگوں کو کیونکر پہنچتی ہیں۔ والد قبلہ جو مہدی کے خطوط ان سبھوں کو سناتے ہیں تو سب اسی نکتہ چینی کی غرض سے سنتے ہیں'۔ زیرِ نظر خط کا آخری پیراگراف چونکہ اسی موضوع سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے قیاس ہے کہ یہ بھی ۱۸۸۶ء میں ہی لکھا گیا۔

بنام مولوی محمد عمر

﴿۱۲﴾

حیاک اللہ۔ خدا میری مغفرت نہ کرے، اگر مَیں تمھارے معاملے میں پہلوتہی کروں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان دِنوں میرے ہاں آنے کا چنداں فائدہ نہیں۔ غازیپور بہت خوب صورت مقام ہے، اگر وہاں جانے کا ارادہ ہے تو تمھیں اپنا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مجھ سے کیا پوچھتے ہو، محمد سمیع نے الٰہی شاہ کی دامادی قبول کر لی ہے یا نہیں؟ محمد سمیع شروع سے ہی قسمت کا دھنی رہا ہے اور ہم جیسے فقیروں کی دعائیں بھی اس کے ساتھ رہی ہیں۔ اس سے اچھی بات اَور کیا ہو سکتی ہے کہ پہلی بیوی [کی رحلت کے بعد اس] کا نعم البدل مل جائے:

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

شبلی نعمانی

۱۰/مارچ ۱۸۸۱ء

۱ دیناپارہ، سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ کے باشندے اور مولانا کے پرانے شاگرد۔ (سید سلیمان ندوی)

﴿۱۳﴾

یارِ دِلنواز

ایک مدت سے تمھارا خط نہیں آیا، شاید دوستی کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ مَیں تو پہلے ہی پریشان تھا، دوستوں کی چپ نے تو مجھے اَور بے چین کر دیا ہے۔ جلد خط لکھو، تاکہ معلوم ہو کہ کیسے گزر رہی ہے؟ ان دِنوں مَیں ہمہ وقت درس و تدریس میں مصروف ہوں۔ مولوی سلیم نندادی اور سمردی دونوں یہیں رہتے ہیں۔ نجانے مولوی محمد فقیر اللہ کو کیا ہو گیا ہے کہ بے ہودہ کاموں میں گھر بار لٹا چکا ہے۔ مَیں اس کا منتظر ہوں، دیکھیے، اُس یگانۂ روزگار کا دیدار کب نصیب ہوتا ہے؟

جہاں تک ہو سکے، نایاب کتابیں ڈھونڈتے رہنا۔[۱] ظہیر فاریابی [کے دیوان] کا مجھے شدت سے انتظار ہے، ابھی تک تو نہیں ملا، میری دانست میں یہ میرے بختوں کی نارسائی ہے۔ اَور کیا لکھوں!

شبلی عفی عنہ از بستی[۲]

۱۷/مارچ ۱۸۸۱ء

۱ نادر کتابوں کا شوق نہایت قدیم تھا، اُسی زمانے کا یہ ایک خط تھا۔ (سید سلیمان ندوی)

۲ علی گڑھ جانے سے پہلے بستی میں چند ماہ وکالت کی تھی۔ (سید سلیمان ندوی)

﴿۱۴﴾

حیاک اللہ

تمھارا خط پہنچا، مَیں ہمہ تن چشم ہوا۔ توفیقِ باری سے قسمت نے یاوری کی اور لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ردِّ تذکرۃ کے سلسلے میں ابھی تھوڑا بہت ہی لکھا تھا کہ مجھے اس کام میں [قرق] امین بنا دیا گیا ہے۔[۱] ہجومِ کار کے باعث فی الحال اس کام کے لیے دوبارہ کمربستہ نہیں ہو سکتا۔ اس کشمکش سے نجات ملی تو ایک اَور افتاد آن پڑی، یعنی گودام اور اس کے متعلقات کی نگرانی کرنی پڑی؛ اگرچہ مَیں اس کام کا اہل نہ تھا، لیکن چونکہ یہ حضرت قبلہ گاہ [والد] کا حکم تھا، اس لیے بجا آوری کے سوا چارہ نہ تھا۔ اب

کہیں جا کر اس بیگار سے جان چھوٹی ہے اور مَیں واپس آ گیا ہوں۔[۲]

اِن شاء اللہ جلد ہی تذکرۃ کا جواب مکمل کر دوں گا۔ کچھ دوستوں کے خیال میں حافظ صاحب کے افکار پر مبنی دو رسالے اَور بھی ہیں۔ اب تک تو مجھے حافظ صاحب کے علم و استعداد پر اعتماد تھا، مگر اب وہ اعتماد بھی اُٹھ گیا ہے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی غازی پور جاؤں گا اور تذکرۃ اور ایماضات کے مصنف کی اغلاط اور گمراہیوں کی نشاندہی کروں گا۔[۳]

اس بار اس سفر میں میرے ساتھ حافظ حبیب اللہ خاں اور عزیزی مولوی محمد سمیع بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ معلوم نہیں کہ قصیدہ مولوی عبدالاحد شمشاد[۴] کے سپرد کیا ہے یا تم میرے نام کی طرح اس کام کو بھی بھول گئے۔ والسلام

شبلی نعمانی

۷؍اکتوبر ۱۸۸۲ء

[۱] شبلی نے وکالت کا امتحان پاس کر لیا، لیکن وکالت کو پسند نہ کیا، البتہ باپ کے کہنے پر کلکٹر کی عدالت میں قائم مقام نقل نویس کی ملازمت کر لی، جس کی تنخواہ دس روپے تھی؛ بعد ازاں دو ماہ کے لیے قرق امینی کی عارضی طور پر خالی ہونے والی اسامی کے لیے ان کی تقرری ہوگئی۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس امانت کے فرائض اس دیانت سے انجام دیے کہ اہلِ معاملہ کے ہاں پانی پینا تو بڑی چیز ہے، ان کے سایۂ دیوار میں آرام کرنا بھی معصیت سمجھتے۔ گرمیوں کا موسم، رمضان کا مہینہ، تپتی ہوئی دوپہر اور جھلسا دینے والی دھوپ میں روزہ رکھے ہوئے گاؤں گاؤں گھوڑے پر سوار پھرا کرتے تھے۔ افطار و سحر کا کوئی سامان نہ ہوتا، سائیس دال چاول اُبال دیتا، اسی کو کھا لیتے۔ ان مصائب کو پھر بھی وکالت پر ترجیح دیتے۔ (حیاتِ شبلی، ص ۱۲۰) واضح رہے کہ ۱۸۸۲ء میں رمضان کا مہینہ ۶؍جولائی سے شروع ہوا تھا۔

[۲] شیخ حبیب اللہ نے نیل سازی کے کئی ایک کارخانے کھول رکھے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں قرق امینی کی اسامی پر عارضی تقرری ختم ہونے پر ان کے والد نے انھیں ان کارخانوں کا نگران مقرر کر دیا۔ کچھ دِنوں تک شبلی نے یہ فریضہ بھی سرانجام دیا۔

[۳] [علی گڑھ] کالج جانے سے پہلے [شبلی کو] غیر مقلدین سے مناظرے کا بہت شوق تھا۔ [مولانا اسلم جیراجپوری کے والد] حافظ سلامت صاحب جیراجپوری اعظم گڑھ میں غیر مقلدوں کے سرگروہ تھے، تقلید و حنفیت کے ردّ میں وہ چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے تھے، مولانا اُن کا جواب دیتے تھے۔ (سید سلیمان ندوی) شبلی کے خیال میں، امام کے پیچھے قراَتِ فاتحہ نہ صرف یہ کہ واجب نہیں، بلکہ مکروہ ہے۔ انھوں نے اسکات المعتدی علی انصات المقتدی کے نام سے عربی میں چوبیس صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ لکھا، اس رسالے میں مولانا شبلی نعمانی نے متن میں 'قال بعض العلما' لکھ کر مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق کا ردّ کیا تھا۔ ردِ عمل میں مولانا عبدالحی کے شاگردوں میں سے مولانا نور محمد ملتانی نے تذکرۃ المنتھی فی ردِ اسکات المعتدی اور حافظ مُلّا شعیب حنفی کابلی باجوری نے الایماضات الی اغلاط مصنف الاسکات کے ذریعے شبلی کے رسالے کا جواب دیا۔ اس خط میں اسکات کے انھی دو جوابات کا ذکر ہوا ہے۔ (بحوالہ حیاتِ شبلی، ص ۱۱۴)

[۴] مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی، مہتمم مدرسہ چشمہ رحمت، غازی پور۔ ستمبر ۱۹۱۷ء میں وفات پائی۔ (سید سلیمان ندوی)

﴿۱۵﴾

۱۲۹۹ھ کی بات ہے کہ مَیں ایک دِن برادر قاضی محمد سلیم کی عیادت کو گیا۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا، کچھ دیر بعد وہ کہنے لگے، 'آج رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ تم نے میرے لیے قصیدے کے چند اشعار موزوں کیے ہیں'۔ میرے خیال میں یہ اچھا شگون نہ تھا۔ اگلے روز جب مَیں اُن سے ملنے گیا تو انھوں نے اپنے لیے قطعہ تاریخِ وفات کہنے کا تقاضا کر دیا۔ اُن کے اصرار پر دل کو بڑی مشکل سے آمادہ کیا۔ اگرچہ مَیں ایسی نظم کہنے سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں کہ یہ بدشگونی کی بات ہے، لیکن [حیرت ہے کہ] مصرعِ تاریخ خود بخود موزوں ہو گیا۔ اُس وقت میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ قاضی صاحب کا خواب اس قدر سچا ثابت ہوگا۔ [ان کی وفات کے] اگلے دِن مجھے ان کا خواب یاد آیا تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

آج اُن کی وفات کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ مَیں اُن کے رویائے صادقہ پر فخر محسوس کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ عالمِ قدس کے کچھ اَسرار ایسے بھی ہوتے ہیں، جن تک طائرِ فکر کی رسائی نہیں ہو سکتی، جیسا کہ اس شعر میں مذکور ہے:

چون خواستم ز پیر خرد سال مرگ اد
از رُوے درد گفت 'کہ قاضی سلیم مرد'[1]

شبلی نعمانی

۱۰/اکتوبر ۱۸۸۲ء

[1] قاضی سلیم مرد' سے تاریخِ وفات کے اعداد ۱۲۹۹ نکلتے ہیں۔

﴿۱۶﴾

نورِ نظر محمد عمر سلمہ

حیاک اللہ۔ تمھارا خط ملا اور نہ آسکنے کا معقول عذر بھی۔ حیرت ہے، اتنے اشتیاق کے باوجود تم کس طرح مجھ سے دُور رہے اور اب تک نہ آئے۔ خدا تمھیں شفا دے، مَیں خود وہاں آ کے تمھاری علالت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ ایک بڑی خرابی اور بڑا حادثہ ہے۔ تمھیں بھی خبر ہے کہ اگر اس چشمے کا منہ بند نہ کیا گیا تو یہ قطرہ دریا میں بدل جائے گا اور رستہ صحرا میں۔

سمیع [موضع] پھریہا میں مجھ سے ملا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر متنازع اراضی اور مکان میری ملکیت نہ ہو تو مَیں اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ مَیں نے سمجھایا کہ ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ مَیں جب اس جگہ پہنچوں گا تو پرانے کاغذات

دیکھوں گا۔ابھی مَیں ان [دعوے داروں] کی باتوں میں آنے والا نہیں۔

شبلی نعمانی

۲۹/اکتوبر ۱۸۸۲ء

﴿۱۷﴾

عزیزی محمد عمر سلمہٗ

حیاک اللہ۔تمھاری جدائی نے کلیجہ چھلنی کر دیا ہے۔تمھیں معلوم ہے کہ میری آشفتہ مزاجی اس طرح کی وعدہ خلافیوں کی تاب نہیں لاسکتی۔مَیں نے تو چپ سادھ لی ہے۔اب اگر تم کسی بہانے جلدی سے مجھے ملنے نہ آئے تو پھر مجھ سے کچھ نہ سیکھ سکو گے، کیونکہ مَیں جلد ہی اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور وطن پہنچ کر اپنے عزیزوں سے ملوں گا۔معلوم نہیں، حق بجانب کون ہے؟ تم تو جانتے ہی ہو، وہاں کے حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔اَور کیا لکھوں؟

شبلی نعمانی

۲۹/اکتوبر ۱۸۸۲ء

﴿۱۸﴾

اے نورِ دیدۂ شبلی، سلامت رہو، سیکڑوں برس جیو!

ایک ہفتہ بیشتر تمھارا خط ملا، جس نے دمِ عیسیٰ کا کام کیا۔میری جان! بالکل غلط کہ جونپور سے واپسی کے موقعے پر دم بھر کو بھی رُکتا اور تمھیں نہ ملتا؛ ہاں، اگر کوئی اس وجہ سے دل گرفتہ ہے کہ مَیں وہاں کیوں نہ رُکا تو اس پر معذرت۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ میں ہجر کا یارا نہیں اور اگر واپسی پر مل آتا تو دردِ جدائی ناقابلِ برداشت ہو جاتا:

خو می کنی بہ ہجر تو در روزِ زندگی
دل کندن از رُخ تُو بہ یکبار مشکل است

تمھارے خط سے مدرسے[۱] کے حالات کی بابت بہت دُکھ پہنچا۔بدقسمتی سے تدریس کی ذمے داری مولوی لطیف الرحمٰن[۲] وغیرہ کے سپرد کرنی پڑی۔افسوس، مفتی محمد یوسف کے بجائے مجھے ان جیسے لوگوں سے کام لینا پڑا۔اب یہ شعر وردِ زبان رہتا ہے:

از ہجومِ چغد ور ویرانۂ ما جا نماند
آن قدر آباد شد آخر کہ ما می خواستیم

یہ بتاؤ کہ عبدالعزیز اور محمد اللہ آباد سے واپس آئے ہیں یا نہیں؟ والسلام

شبلی نعمانی

۵/نومبر ۱۸۸۲ء

۱ مدرسہ عربی جونپور۔ (سید سلیمان ندوی)

۲ مولوی لطف الرحمٰن بنگالی جونپور میں مولانا مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی کی جگہ مدرّس اوّل ہو گئے تھے۔ (سید سلیمان ندوی)

﴿۱۹﴾

اے میرے فرزانہ مولوی محمد عمر!

اگرچہ تجھ پر مصائب وحوادث کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، لیکن مَیں نے تجھے خط نہ لکھا اور نہ کوئی تسلی کا لفظ لکھا، تاہم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ مَیں نے اپنے دل سے تیری محبت کھرچ ڈالی ہے۔ یہ مَیں جانتا ہوں یا میرا خدا کہ تیرے حال نے مجھے اس قدر نڈھال کر دیا کہ مجھ میں قلم پکڑنے اور لکھنے کی سکت نہ رہی۔ افسوس! جناب حافظ صاحب بھی ہمت ہار بیٹھے ہیں اور اِدھر میرے ہاتھ سے بھی صبر کا دامن چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا، تم خود آ جاتے اور تیرے غم خوار تیرے بارے میں کچھ سوچتے۔ ہے تو مشکل، لیکن صبر سے کام لو کہ صبر ہی ہر مشکل کا حل ہے۔

حمید کو چیچک نکل آئی تھی، [البتہ] اب وہ صحت یاب ہو گیا ہے۔ آج جب کہ میاں محمد عظیم کی شادی ہے، مَیں [موضع] املو جا رہا ہوں۔ اس عجلت میں کاغذ پر یہ دو تین باتیں لکھ دی ہیں۔

امتحانات کب ہوں گے، کچھ خبر نہیں۔ عبدالمجید، عبدالحلیم، عبدالرحیم اور دیگر [چند اَور طلبہ] کو [امتحان میں بیٹھنے سے] روک دیا گیا ہے۔ والتسلیم

شبلی نعمانی!

۱ تاریخِ تحریر معلوم نہیں ہو سکی۔